آرا وافکار

غازی عبدالرحمٰن قاسمی *

حجۃ اللہ البالغہ میں شاہ ولی اللہ کا منہج واسلوب (۱)

تعارف:

اس کائنات کی رنگ وبو میں بہت سے افراد واشخاص پیدا ہوئے اور اپنی مقررہ زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہوگئے، ان کی وفات کے بعد ان کا ذکر کچھ عرصہ ہوا اور پھر گزرتے وقت کے ساتھ ان کے تذکرے ختم ہوگئے، مگر کچھ ہستیاں اور شخصیات ایسی بھی گزری ہیں جن کی علمی کاوشوں، مجتہدانہ صلاحیتوں اور بلند پایہ استنباط واستدلال سے مزین کتب کی بدولت وہ آج بھی اہل علم کے حلقہ میں زندہ ہیں۔ ان کے بیان کردہ تحقیقی مضامین اسلامیات کے محقق کے لیے سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان میں نمایاں نام مجدد الملت، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ہے۔ آپ ۱۷۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو جو اطراف عالم میں شہرت عطا فرمائی اس کی ایک اہم وجہ آپؒ کی علمی جلالت ہے۔

آپ کی تحریروں میں اتقان وثقاہت اور تحقیقی وعلمی نکات پائے جاتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ عوام الناس کی خیر خواہی، ان کی دینی اصلاح اور روحانی واخلاقی تربیت کا سامان بھی ملتا ہے۔ آپ اپنے زمانہ کے بہترین عالم ومعلم تھے اور اتباع نبوی ﷺ کے جذبہ سے سرشار تھے۔ شب وروز دین متین کی تبلیغ کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ بلا شک وشبہ آپ اپنے وقت کے مجدد اعظم، مصلح اعلی اور حکیم دانا تھے۔ جو نہ صرف شریعت کے رمز شناس تھے بلکہ اپنے زمانہ کی عوام کے بھی نبض شناس تھے۔ آپ کے علمی وعملی کمالات کے اتنے گوشے ہیں کہ ہر ایک مستقل تصنیف کا محتاج ہے۔ شریعت اسلامیہ کی خدمت اور عوام الناس کی بہبود واصلاح کے لیے آپؒ نے مختلف موضوعات پر قلم اٹھایا اور نہایت قیمتی وتحقیقی تصانیف بطور یادگار کے چھوڑیں۔ جن میں سے شہرہ آفاق اور معرکۃ الآرا تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' ہے۔ اس کتاب میں آپؒ کا منہج واسلوب کیا تھا۔؟ اس پر تفصیلی بحث مابعد السطور میں آرہی ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کا موضوع اور مضامین:

''حجۃ اللہ البالغہ'' کا بنیادی موضوع احکام شریعت کی مصالح وحکمتیں اور ان کے اسرار ہیں۔

* لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ ولایت حسین اسلامیہ ڈگری کالج ملتان، پاکستان

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں فنی لحاظ سے آپ نے متعدد مضامین کو بیان کیا ہے جن میں تعلیمات ربانی، عقائد، احادیث، فقہ، اصول فقہ، عبادات و معاملات، اخلاقیات، تمدن وتہذیب، سیاسیات، کسب معیشت کے طریقے، تدبیر منزل، خلافت وقضا، جہاد، آداب صحبت، معاشرت، فتن، حوادث مابعد، اورعلامات قیامت وغیرہ کوزیر بحث لایا گیا ہے۔ اوران مختلف موضوعات وابواب کے اسرار ومقاصد اس طرح بیان کیے ہیں کہ ان مسائل کا تعلق انسانی زندگی سے مربوط نظر آتا ہے۔ اوراحکام شرعیہ کی حکمتیں اوراسرار وبھید عقلی ونقلی دلائل سے بیان کیے ہیں۔

یہ کتاب دو بڑے حصوں میں منقسم ہے پہلا حصہ اوامر ونواہی کے مفید اصولوں پر محیط ہے اوراس میں سات مباحث ہیں اوران میں بھی ہر بحث متعدد ابواب میں بیان ہوئی ہے۔ اور دوسرے حصہ میں اسلامی احکام کی عقلا تعبیر وتشریح کی گئی ہے جن میں پیش نظر فقہی موضوعات کی ترتیب ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کی خصوصیات:

شاہ صاحبؒ کی یہ عظیم الشان تصنیف اپنے موضوع پر جدت اورندرت کا عنصر لیے ہوئے ہے۔ اس کے صرف ادبی اسلوب کو اگر زیر بحث لایا جائے تو اس پر مستقل ایک مقالہ کی ضرورت ہے۔ اور جن دلائل وبراہین سے آپ نے استدلال کیا ہے اگر صرف اس استنباط واستدلال پر غور وفکر کیا جائے تو یہ بھی بڑے اعلی درجے کا کام ہوگا۔ اور دینی واسلامی فکر کو جس انداز میں آپ نے پیش کیا ہے اگر اس پر بات کی جائے تو آپ کا یہ ایسا کارنامہ ہے جو آپ کو عالم اسلام کی ان شخصیات میں شامل کرتا ہے جن پر تاریخ اسلام کو فخر ہے۔

جب سے یہ کتاب منصۂ شہود پر آئی ہے ہر دور میں اس کی درس وتدریس کے سلسلے جاری رہے اوراس سے راہنمائی حاصل کی جاتی رہی۔ جو عربی زبان وادب سے شغف رکھنے والوں کے لیے نہ صرف ذوق تسکین کا باعث ہے بلکہ اہل علم کے لیے بھی ایک ایسی دوا ہے جو فکری اور عقلی راستوں میں شکوک وشبہات کے زہریلے کانٹوں بھرے میدانوں سے گزرتے وقت تریاق کا باعث ہے۔ تشنگان علوم اسلامیہ کے لیے ایک ایسا جام ہے جو ایک دفعہ اس کا ذائقہ چکھ لیتا ہے وہ اس کی حلاوت سے مخمور نظر آتا ہے۔

اسلوب کتاب:

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں اک نیا اسلوب اورمنفرد طرز تحریر سامنے آیا ہے، جو جامعیت، زور بیان، تحکم واعتماد اور فصاحت وبلاغت کا شاہ کار ہے۔ جس میں انشاء کا ایک خاص انداز ہے جو پوری کتاب پر چھایا ہوا ہے۔ مختصر اور جامع کلمات کے استعمال کے ساتھ ایسی خوبصورت تراکیب ومحاوارت اوراستعارات وتشبیہات اور تمثیلات سے کام لیا گیا ہے جن میں اک خاص توازن واعتدال ہے۔

حجۃ اللہ البالغہ کے مطالعہ سے شاہ صاحبؒ کا جو منہج واسلوب بیان سامنے آتا ہے اس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ متعدد مقامات پر بصیغہ امر استعمال کرتے ہوئے ''اِعْلَم'' (جان لیجئے) سے بات شروع کرتے ہیں۔ ۲۰۰ سو

سے زائد مقامات پر ''اِعْلَم'' کولائے ہیں۔جس کا مقصد مخاطب کو متوجہ کرکے اہم فوائد ونکات بیان کرنا ہوتا ہے۔

عصر حاضر میں تحقیق کرنے والے محقق کو نگران مقالہ کی طرف سے یہ ہدایت ہوتی ہے کہ وہ مقالہ لکھنے سے پہلے اپنا میدان منتخب کرے، کہ کس شعبہ میں اسے مناسبت ہے اور وہ زیادہ بہتر کام کرسکتا ہے۔اسی کے مطابق وہ موضوع کا انتخاب کرے اور مسائل کو زیر بحث لاتے ہوئے مقالہ تحریر کرے۔یہی بات شاہ صاحب نے اپنے خاص انداز اِعْلَم (جان لیجئے) سے شروع کی ہے۔لکھتے ہیں:

> **فاعلم ان لکل فن خاصة ولکل موطن مقتضی فکما انه لیس لصاحب غریب الحدیث ان یبحث عن صحة الحدیث وضعفه ولا لحافظ الحدیث ان یتکلم فی الفروع الفقهیه وایثار بعضها علی بعض فکذالک لیس للباحث عن اسرار الحدیث ان یتکلم بشئی من ذلک انما غایة همته ومطمح بصره هو کشف السر الذی قصده النبی ﷺ فیما قال سواه بقی هذاالحکم محکما او صار منسوخا او عارضه دلیل آخر فوجب فی نظر الفقیه کونه مرجوحا نعم لا محیص لکل خائض فی فن ان یعتصم باحق ما هنالک بالنسبة الی ذالک الفن** (۱)

> ''جان لیجئے ہر فن کی ایک خاصیت اور ہر جگہ کا کوئی 'مقتضی' ہوتا ہے۔پس جس طرح یہ بات کہ فن غریب الحدیث کے مصنف کے لیے مناسب نہیں کہ وہ حدیث کی صحت وضعف کو زیر بحث لائے ،اور نہ حافظ الحدیث کے لیے مناسب ہے کہ وہ فقہی مسائل کے بارے میں اور بعض احادیث کو بعض پر ترجیح دینے کے لیے کلام کرے، پس اسی طرح حدیث کے اسرار سے بحث کرنے والے کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ان میں سے کسی بھی چیز کے بارے میں کلام کرے، اس کی پوری توجہ اور اس کے پیش نظر اس راز کو ہی کھولنا چاہیے جس کا نبی کریم ﷺ نے اپنے ارشاد میں قصد فرمایا ہے۔عام ازیں وہ وہ حکم محکم باقی ہو، یا منسوخ ہوگیا ہو ، یا اس کے معارض کوئی اور دلیل آگئی ہو جس کی وجہ سے مجتہد کی نظر میں وہ روایت مرجوح قرار پائی ہو البتہ یہ ضروری ہے کسی بھی فن میں داخل ہونے والے کے لیے کہ وہ اس چیز کو پکڑے جو اس فن میں سب سے زیادہ قابل اعتماد ہے۔''

شاہ صاحب نے ایک بہت اہم فائدہ بیان کیا ہے کہ ہر فن کی ایک خاصیت ہوتی ہے اور ہر مقام کا اپنا تقاضا ہوتا ہے۔اسی کے مطابق مسائل کو زیر بحث لانا چاہیے۔یعنی محدث کا کام ہے احادیث بیان کرنا اگر وہ فقیہ نہیں ہے اور فتویٰ نویسی کے فرائض سرانجام دینا شروع کردے تو اس کا نتیجہ ٹھیک نہیں ہوگا۔اور اسی طرح فقیہ کا کام مسائل کا استخراج اور احکام کا استنباط ہے وہ اپنا کام چھوڑ کر غریب الحدیث پر توجہ شروع کردے تو اس کا بھی فائدہ نہیں ہوگا۔علی ہذا القیاس احکام اسلام کی مصالح اور حکمتیں بیان کرنے والے کو بھی اپنے موضوع پر توجہ کرنی چاہیے۔اور اسی طرح اگر کوئی کسی فن پر کام کر رہا ہو اور دوسرے فن کی طرف مراجعت کی نوبت آئے تو اس فن کی قابل اعتماد اور راجح باتوں کو اختیار کرنا

چاہیے۔مثلاً فقہ پر کام کرتے ہوئے حدیث نقل کرنی ہے تو ان احادیث کا انتخاب کیا جائے جو صحیح اور قابل اعتماد ہیں۔

۲۔ شاہ صاحب کئی مقامات پر صیغہ متکلم استعمال کرتے ہوئے ''اَقُولُ ''(میں کہتا ہوں) سے کلام کرتے ہیں۔اور ۲۷۵ سے زائد مقامات پر اس کو لائے ہیں جس کے متعدد مقاصد ہو سکتے ہیں تاہم چند مقاصد کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ آیات قرآنیہ کی تفسیر۔

۲۔ احادیث کی تشریح۔

۳۔ آیات میں مطابقت۔

۴۔ فقہی مسالک کے درمیان قرب پیدا کرنا۔

آیت قرآنیہ کی تفسیر کی مثال:

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿ هُوَ الَّذِیٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ﴾ (۲)

''وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں۔''

شاہ صاحب اس کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول الظاهر ان المحکم مالم یحتمل الا وجها واحد مثل:﴿ حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّهٰتُکُمْ وَ بَنٰتُکُمْ وَاَخَوٰتُکُمْ ﴾ (۳) والمتشابه ما احتمل وجوها وانما المراد بعضها کقوله تعالی:﴿ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ﴾ (۴)حملها الزائعون علی اباحة الخمر ما لم یکن یعنی او افساد فی الارض والصحیح حملها علی شاربها قبل التحریم (۵)

''میں کہتا ہوں آیت کے ظاہر اور واضح معنی یہ ہیں کہ محکم آیت وہ ہے جس کے اندر صرف ایک ہی وجہ کا احتمال ہو۔مثلاً 'حرام کردی گئیں تم پر تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں'۔اور متشابہ آیت وہ ہے جس میں چند وجوہ کا احتمال ہو اور مقصود ومراد ان میں سے بعض وجوہ ہوں جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا 'جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں جو وہ کھا چکے جب کہ انہوں نے پرہیز کیا اور ایمان لائے اور نیک کام کئے'۔اس آیت سے بعض کج فہموں نے خمر وشراب کی اتنی مقدار مباح کردی جو زمین میں فساد اور شر وفتنہ کے درجہ کو نہ پہنچے اور صحیح مطلب یہ ہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے حق میں ہے جو خمر وشراب کی حرمت

سے پہلے شراب پیا کرتے تھے ۔''

شاہ صاحب نے ''اَ قُولُ'' سے بات کا آغاز کیا اور محکم ومتشابہ کی مع مثال وضاحت فرمائی اور ساتھ ہی ان لوگوں کی غلطی پر متنبہ کیا جنہوں نے آیت سے غلط مفہوم نکالا۔

دوسری مثال:

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ﴾ (٦)

''اور جس نے کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دیا تو ایک مومن غلام آزاد کرے۔''

شاہ صاحب اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اقول انما وجب فی الکفارة تحریر رقبة مومنة او اطعام ستین مسکینا لیکون طاعة مکفرة لہ فیما بینہ وبین اللہ فان الدیة مزجرة تورث فیہ الندم بحسب تضییق الناس علیہ والکفارة فیما بینہ وبین اللہ تعالی (٧)

''میں کہتا ہوں اس قتل کے کفارہ میں مومن غلام آزاد کرنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا اس لیے واجب کیا گیا تا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان یہ طاعت اس کے لیے گناہ مٹانے والی عبادت بن جائے، بے شک دیت زجر کا ذریعہ ہے وہ اس پر ندامت پیدا کرتی ہے لوگوں کی تنگی کے اعتبار سے اور کفارہ اس کے اور اللہ کے درمیان ندامت پیدا کرتا ہے۔''

شاہ صاحب کے مذکورہ کلام سے معلوم ہوا کہ شریعت نے قتل خطا میں مومن غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے روزے رکھنا بطور کفارہ اس لیے مقرر کیا تا کہ اس نیکی سے اس کا گناہ مٹ جائے، کفارہ بندے اور اللہ کے درمیان ندامت کا معاملہ ہوتا ہے۔ اور دیت اس لیے واجب کی کہ اس کا ادا کرنا عاقلہ کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ اس کے ساتھ خوب ڈانٹ ڈپٹ کا معاملہ کریں گے کہ تمہاری وجہ سے ہم سب مشکل میں پڑ گئے ہیں۔ اس سے اسے شدید ندامت کا سامنا ہوتا ہے اور وہ آئندہ ایسی غلطی نہیں کرے گا۔

واضح رہے کہ شاہ صاحب نے قتل خطا کے کفارہ میں جو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانے کا ذکر کیا ہے۔ یہ ان سے تسامح ہوا ہے اس لیے کہ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۹۲ میں صرف اتنا ہے کہ مومن غلام آزاد کرے یا ساٹھ روزے رکھے۔

حدیث کی تشریح کی مثال:

حضور ﷺ کا ارشاد عالی ہے:

مَنْ تَعَلَّمَ عِلْمًا مِمَّا يُبْتَغَى بِهِ وَجْهُ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ لَا يَتَعَلَّمُهُ إِلَّا لِيُصِيبَ بِهِ عَرَضًا مِنَ الدُّنْيَا، لَمْ يَجِدْ عَرْفَ الْجَنَّةِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَعْنِي رِيحَهَا (٨)

''جس شخص نے وہ علم کہ جس سے اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اس لیے سیکھا کہ اس کے ذریعہ اسے دنیا کا کچھ مال ومتاع مل جائے تو ایسا شخص جنت کی خوشبو کو بھی نہیں پا سکے گا قیامت کے دن، یعنی جنت کی ہوا۔''

شاہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول یحرم طلب العلم الدینی لاجل الدنیا ویحرم تعلیم من یری فیه الغرض الفاسد لوجوه :منها ان مثله لا یخلوغالبا من تحریف الدین الدنیا بتاویل ضعیف فوجب سد الذریعة ومنها ترک حرمة القرآن والسنن وعدم الاکتراث بها (۹)

''میں کہتا ہوں دنیا کے لیے دینی علم حاصل کرنا حرام ہے۔اور اس شخص کو سکھانا بھی حرام ہے جو فاسد غرض رکھتا ہے۔اور ان میں سے یہ کہ اس طرح کا آدمی عام طور پر دنیا کمانے کے لیے کمزور تاویلات کے ذریعے دین کی تحریف سے باز نہیں آتا، پس اس راستہ کا بند کرنا ضروری ہوا۔اور ان حرمت کے اسباب میں سے دوسرا یہ کہ ایسے شخص کو تعلیم دینا قرآن وسنت کا احترام نہ رکھنا ہے اور ان کی پرواہ نہ کرنا ہے۔''

معلوم ہوا حصول دنیا کے لیے دینی علم حاصل کرنا حرام ہے اس لیے کہ ایسا شخص اپنے مقاصد حاصل کرنے کے لیے باطل تاویلوں کا سہارا لے گا۔اور ایسے شخص کو تعلیم دینا قرآن وسنت کے احترام میں کمی کا باعث ہے۔

دوسری مثال:

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سُئِلَ عَنْ عِلْمٍ عَلِمَهُ ثُمَّ كَتَمَهُ أُلْجِمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِلِجَامٍ مِنْ نَارٍ (۱۰)

''جس شخص سے ایسا سوال کیا گیا جس کو وہ جانتا ہے اور اس نے اسے چھپایا تو قیامت کے دن اسے آگ کی لگام ڈالی جائے گی۔''

شاہ صاحب اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

اقول یحرم کتم العلم عند الحاجة الیه لانه اصل التهاون وسبب نسیان الشرائع واجزیة المعاد تبنی علی المناسبات فلما کان الاثم کف لسانه عن النطق جوزی بشبح الکف وهو اللجام من نار (۱۱)

''میں کہتا ہوں ضرورت کے وقت علم چھپانا حرام ہے۔اس لیے کہ وہ لاپروائی اور سستی کی جڑ ہے اور احکام شرعیہ کو بھولنے کا سبب ہے اور اخروی جزائیں مناسبتوں پر مبنی ہیں۔پس جب بولنے سے زبان کو روکنا گناہ تھا تو وہ سزا دیا گیا روکنے کی شکل وصورت کے ذریعے اور وہ آگ کی لگام ہے۔''

شاہ صاحب کی اس تشریح سے تین اہم باتیں معلوم ہوئیں۔

(الف) علم چھپانا دین کی اشاعت سے لاپروائی برتنا ہے۔ اس لیے کہ ایسی صورت حال میں لوگ علم حاصل کرنا چھوڑ دیں گے۔

(ب) باتیں دہرانے سے یاد رہتی ہیں جب علم کو چھپایا جائے گا، خرچ نہیں کیا جائے گا تو وہ رفتہ رفتہ بھول جائے گا۔ احکام شرعیہ کو بھلانا نقصان عظیم کا باعث ہے۔

(ج) اخروی جزاوں کے بارے میں ضابطہ بیان کیا ہے کہ وہ عمل کی جنس سے ہوتی ہیں یعنی عمل اور اس کی جزا میں مناسبت ہوتی ہے۔ چونکہ اس نے علم بیان کرنے کی بجائے زبان کو روکا اور منہ بند کیا ہے۔ جو کہ شریعت کی نظر میں گناہ ہے اس لیے آخرت میں اسی کی شکل وصورت میں بدلہ دیا جائے گا اور وہ یہی ہے کہ اس کے منہ پر آگ کی لگام چڑھائی جائے جس سے اس کا منہ بند ہوگا۔

قرآنی آیات میں مطابقت کی مثال:

قرآن کریم میں عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

﴿ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ وَبَنٰتِکَ وَنِسَاءِ الْمُؤْمِنِیْنَ یُدْنِیْنَ عَلَیْھِنَّ مِنْ جَلَابِیْبِھِنَّ ذٰلِکَ اَدْنٰٓی اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ ﴾ (۱۲)

''اے نبی! اپنی بیویوں سے اور اپنی بیٹیوں سے اور مسلمانوں کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ وہ اپنے اوپر چادریں لٹکایا کریں۔ اس سے بہت جلد ان کی شناخت ہو جایا کرے گی پھر ستائی نہ جائیں گی۔''

اسی طرح دوسرے مقام پر ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَاِذَا سَاَلْتُمُوْھُنَّ مَتَاعًا فَسْــَٔلُوْھُنَّ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ ﴾ (۱۳)

''جب تم ازواج مطہرات سے کوئی چیز مانگو تو پردے کے پیچھے سے مانگو۔''

اور سورۃ النور میں ارشاد ربانی ہے:

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ ﴾ (۱۴)

''ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہ نیچی رکھا کریں۔''

اس آیت میں مردوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ نگاہیں نیچی رکھیں، اگر عورتوں کے لیے پردہ اور حجاب کا حکم ہے تو پھر نگاہیں نیچی رکھنے کا کیا مطلب؟

چنانچہ آیات کے درمیان موافقت پیدا کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

اقول:.... واذاامر الشارع احد بشئی اقتضی ذلک ان یومر الاخر ان یفعل معه حسب ذالک ،فلما امرت النساء بالتستر وجب ان یرغب الرجال فی غض البصر، وایضا فتھذیب نفوس الرجال لا یتحقق الا بغض الابصار ومواخدة انفسھم (۱۵)

''اور جب شارع کسی کو کسی بات کا حکم دیتا ہے تو وہ حکم تقاضا کرتا ہے کہ دوسرے کو بھی حکم دیا جائے کہ وہ اس کے ساتھ اس حکم کے موافق معاملہ کرے پس جب عورتوں کو پردہ کرنے کا حکم دیا گیا تو ضروری ہوا کہ مردوں کو ترغیب دی جائے نظریں نیچی رکھنے کی اور نیز مردوں کے نفوس کا سنورنا متحقق نہیں ہوتا مگر نظریں جھکانے سے اور اپنے نفوس کو پکڑنے سے اس چیز کے ساتھ۔''

شاہ صاحبؒ نے شریعت اسلامیہ کا ایک بہت اہم اصول بیان کیا ہے۔ جب کسی معاملہ کا تعلق دو افراد سے ہو اور شریعت اسلامیہ جب ایک شخص کو کسی بات کا حکم دیتی ہے تو اس حکم کا مقتضی یہ ہوتا ہے کہ دوسرے فرد کو بھی ویسا حکم دیا جائے تا کہ وہ پہلے فرد کو دیے گئے حکم کے موافق عمل کرے۔ جب عورتوں کو حکم دیا گیا کہ وہ مردوں سے پردہ کریں تو ساتھ ہی مردوں کو حکم دیا گیا کہ وہ بھی اپنی نظریں نیچی رکھیں۔ نیز مردوں کے اپنے نفس کی تہذیب کا بھی اسی پر انحصار ہے کہ وہ عورتوں کو بلا وجہ نہ دیکھیں اور غض بصر کی پابندی کریں۔ اور اپنے نفوس سے مواخذہ و باز پرس کریں۔

اور اس قسم کی اور مثالیں بھی شریعت اسلامیہ میں موجود ہیں۔ جیسا کہ عورتوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا نکاح خود نہ کریں اولیاء کی وساطت سے تمام امور سرانجام ہونے چاہییں تو ساتھ ہی اولیاء کو بھی حکم دیدیا کہ عورتوں کی پسند و ناپسند اور رضامندی معلوم کیے بغیر ان کا نکاح نہ کریں۔ جیسا کہ آگے بحث آرہی ہے۔ اسی طرح حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے مردوں کے حقوق بیان کیے تو ساتھ ہی عورتوں کے حقوق بیان کیے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

اَلَا إِنَّ لَكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ حَقًّا، وَلِنِسَائِكُمْ عَلَيْكُمْ حَقًّا، فَأَمَّا حَقُّكُمْ عَلَى نِسَائِكُمْ فَلَا يُوطِئْنَ فُرُشَكُمْ مَنْ تَكْرَهُونَ وَلَا يَأْذَنَّ فِي بُيُوتِكُمْ لِمَنْ تَكْرَهُونَ اَلَا وَحَقُّهُنَّ عَلَيْكُمْ أَنْ تُحْسِنُوا إِلَيْهِنَّ فِي كِسْوَتِهِنَّ وَ طَعَامِهِنَّ (۱۶)

''جان لو کہ تمہارا تمہاری بیویوں پر اور ان کا تم پر حق ہے تمہارا ان پر حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستر پر ان لوگوں کو نہ بٹھائیں جن کو تم ناپسند کرتے ہو بلکہ ایسے لوگوں کو گھر میں داخل نہ ہونے دیں اور ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم انہیں بہترین کھانا اور بہترین لباس دو۔''

فقہی مسالک کے درمیان تقریب کی مثال:

فقہاء کے درمیان یہ مسئلہ بڑی شد و مد سے زیر بحث رہا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر عاقلہ و بالغہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے یا نہیں؟

اس مسئلہ میں حنفیہ کا موقف یہ ہے کہ عاقلہ و بالغہ عورت ولی کی اجازت کے بغیر اپنا نکاح کفو میں کر سکتی ہے۔ (۱۷)
امام مالکؒ کے نزدیک اس قسم کا نکاح جو ولی کی اجازت کے بغیر کیا جائے وہ سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔ (۱۸)
اور دیگر جمہور فقہاء کے نزدیک ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا تاہم اگر کسی عورت نے ایسا کر لیا تو وہ ولی کی

اجازت پر موقوف ہوگا۔ اگر اس نے اجازت دیدی تو نکاح صحیح ہوگا وگرنہ جائز نہ ہوگا۔ (۱۹)

حنفیہ کے موقف سے معلوم ہوتا ہے کہ ولی کی اجازت کے بغیر عاقلہ و بالغہ عورت اپنا نکاح کر سکتی ہے۔ جبکہ جمہور فقہاء کے مؤقف سے معلوم ہوا ولی کی اجازت کے بغیر نکاح نہیں ہوگا۔ احناف اور جمہور کے موقف میں بہت فاصلہ ہے۔ فقہاء کرام کی مذکورہ بالا بحث کے بعد اب شاہ صاحب کی کلام کو مدنظر رکھا جائے تو احناف اور جمہور فقہاء کی رائے میں فاصلہ کم ہوتا نظر آئے گا۔ جیسا کہ یہ بات پیچھے گزر گئی ہے کہ شاہ صاحب جب کوئی اہم بات یا فائدہ بیان کرتے ہیں تو ''اِعْلَم'' سے بات شروع کرتے ہیں۔ چنانچہ اس معرکۃ الاراء مسئلہ میں'' **لانکاح الابولی**'' کے تحت لکھتے ہیں:

اعلم انہ لایجوز ان یحکم فی النکاح النساء خاصة لنقصان عقلھن وسوء فکرھن فکثیرا مالا یھتدین المصلحة ولعدم حمایة الحسب منھن غالبا، فربما رغبن فی غیر الکفء وفی ذلک عار علی قومھا ،فوجب ان یجعل للاولیاء شیئی من ھذا الباب لتسدالمفسدة (۲۰)

''جان لیجئے نکاح میں صرف فیصلہ کرنے کا اختیار عورتوں کو دیدیا جائے تو یہ جائز نہیں ہے۔ اس لیے کہ ان کی عقل ناقص اور سوچ ادھوری ہوتی ہے۔ کئی مرتبہ ان کو یہ پتہ نہیں چلتا کہ ان کے لیے کونسا قدم اٹھانا بہتر ہے۔ اور عام طور پر ان خاندانی خصوصیات کا لحاظ بھی نہیں کرتیں جو خاندانوں میں اہم ہوتی ہیں چنانچہ وہ کبھی غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہیں جو ان کے خاندان کے لیے شرمندگی بنتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ یہ تمام معاملات اولیاء کے ہاتھوں سرانجام ہوں تاکہ ہر قسم کی خرابی اور فساد سے بچا جا سکے۔''

آگے شاہ صاحب مزید لکھتے ہیں جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:

''اور عام طور پر فطرت کی طرف سے لوگوں میں رائج طریقہ یہی ہے کہ مرد عورتوں کے ذمہ دار ہوں، اور ان کے ہاتھ میں ہی معاملات کو کھولنا اور لپیٹنا ہو، ان کے ذمہ مصارف ہوں، اور عورتوں کے نکاح میں اولیاء کا ہونا مردوں کی شان بڑھاتا ہے اور عورتوں کا خود نکاح کرنا بے شرمی کی بات ہے جس کا سبب حیاء کی کمی ہے اور اس میں اولیاء کی حق تلفی ہوتی ہے جو ان کی بے قدری کا باعث ہے۔ اور اہم بات یہ ہے کہ نکاح کی تشہیر بھی ضروری ہے تاکہ نکاح اور بدکاری میں فرق ہو جائے اور شہرت کا بہترین طریقہ ہے کہ اولیاء کو نکاح میں شامل کیا جائے۔'' (۲۱)

آخر میں شاہ صاحب نے ایک اور اہم بات کی طرف اپنے مخصوص انداز ''اَقُولُ'' کے ساتھ مخاطب کیا ہے:

اقول لایجوز ایضا ان یحکم الاولیاء فقط لانھم لایعرفون ما تعرف المراة من نفسھا ولان حار العقد وقارہ راجعان الیھا والاستئمار طلب ان تکون ھی الآمرة صریحا، والاستئذان طلب ان تاذن ولاتمنع وادناہ السکوت (۲۲)

''میں کہتا ہوں یہ بھی جائز نہیں کہ صرف اولیاء کو ہی حاکم بنا کر عورتوں کے نکاح کا پورا اختیار دیدیا جائے ،اس لیے کہ وہ نہیں جانتے اس بات کو جسے عورت اپنی ذات کے بارے میں جانتی ہے۔اور اس لیے کے عقد کا نقصان اور نفع عورت کی طرف لوٹنے والا ہے۔اور استمار اس بات کی طلب ہے کہ وہ ہی صراحتاً حکم دینے والی ہو۔اور استیذان اس بات کی طلب ہے کہ وہ اجازت دے اور وہ انکار نہ کرے اور اجازت کا ادنی درجہ خاموشی ہے۔''

شاہ صاحب کے اس محققانہ کلام سے احناف اور جمہور دونوں کی رائے قابل عمل ہوگئیں کہ نہ تو بالکلیہ صرف عورت کے ہاتھ میں شادی و بیاہ کا اختیار ہو اور نہ ہی اولیاء کو مکمل طور پر اختیار ہو بلکہ آپس کی مشاورت سے،عورت کی اجازت ورضامندی سے شادی و بیاہ کا یہ مسئلہ حل ہونا چاہیے تا کہ بعد میں کسی قسم کی تلخیاں اور لڑائی جھگڑے سکون زندگی برباد نہ کرسکیں۔

مذکورہ مثالوں سے واضح ہوا کہ ''اقول'' سے شاہ صاحب عمدہ فوائد ونکات بیان کرتے ہیں۔

۳۔بسا اوقات ''وَالْاَصْل'' کہہ کر اپنے دعوی کا اثبات کرتے ہیں۔اور اسے ۵۰ سے زائد مقامات پر لائے ہیں۔جو بنیادی دلیل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔کہیں تو ''والاصل'' کہہ کر آیت کریمہ لاتے ہیں اور کبھی حدیث رسول ﷺ نقل کرتے ہیں اور کہیں عقلی دلیل پیش کرتے ہیں۔

آیت کی مثال:

شاہ صاحب نے باب قائم کیا :

باب اسباب نزول الشرائع الخاصة بعصر دون عصر وقوم دون قوم (۲۳)

''وہ اسباب جن کی وجہ سے مخصوص زمانوں میں مختلف قوموں کے لیے خاص شریعتیں نازل ہوئیں۔''

اس کے بعد شریعتوں کے مختلف ہونے کے وجوہ اسباب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

والاصل فیه قوله تعالی ﴿ كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلا لِبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرَاةُ قُلْ فَاْتُوا بِالتَّوْرَاةِ فَاتْلُوهَا إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ (۲۴)

اور بنیاد اس میں اللہ تعالی کا قول، بنی اسرائیل کے لیے سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں مگر وہ چیز جو اسرائیل نے تورات نازل ہونے سے پہلے اپنے اوپر حرام کی تھی کہہ دو تورات لاو اور اسے پڑھو اگر تم سچے ہو۔''

اس کے بعد شاہ صاحب نے باب سے متعلقہ بحث کی ہے اور اس پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔

اور اسی طرح شاہ صاحب نے باب قائم کیا:

باب اسباب النسخ (۲۵)

''نسخ کے اسباب کا بیان۔''

اس کے بعد لکھتے ہیں:

والاصل فیه قوله تعالی ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ (۲۶)

''اور بنیادی دلیل اس میں اللہ تعالی کا قول ہم جو کسی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے برابر لاتے ہیں۔''

حدیث کی مثال:

لوگوں کی جبلت اور فطرت کے بارے میں کلام کرتے ہوئے شاہ صاحب نے ایک باب قائم کیا:

باب اختلاف الناس فی جبلتهم المستوجب لاختلاف اخلاقهم واعمالهم ومراتب کمالهم (۲۷)

''جبلت میں لوگوں کے مختلف ہونے کا بیان جو ان کے اخلاق واعمال اور کمال کے مرتبوں کے مختلف ہونے کا سبب ہے۔''

مذکورہ باب کے قائم کرنے سے شاہ صاحبؒ کا مقصد لوگوں کے اخلاق واعمال اور کمال میں مختلف ہونے کی وجہ بیان کرنا ہے۔ کہ اس کا سبب لوگوں کی جبلت اور فطرت کا مختلف ہونا ہے جس کی وجہ سے ان کے کمالات واخلاقیات اور عملیات میں یکسانیت نہیں ہے۔

اس بات کو مزید مدلل کرنے کے لیے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

والاصل فیه ماروی عن النبی ﷺ انه قال اذا سمعتم بجبل زال عن مکانه فصدقوه ،و اذا سمعتم برجل تغیر عن خلقه فلا تصدقوا به فانه یصیر الی ما جبل علیه (۲۸)

''اور بنیادی دلیل اس میں وہ روایت ہے جو نبی کریم ﷺ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی پہاڑ کے بارے میں سنو کہ وہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا ہے تو اس کو مان لو اور جب تم کسی آدمی کے بارے میں سنو کہ اس کی فطرت بدل گئی ہے تو اس کو مت مانو پس بے شک وہ لوٹنے والا ہے اس فطرت کی طرف جس پر وہ پیدا کیا گیا ہے۔''

اسی طرح متعدد مقامات پر شاہ صاحب احادیث سے استدلال کرتے ہیں۔ مگر احادیث کے نقل کرنے کے بعد ان کی صحت وسقم پر بالکل کلام نہیں کرتے، بلکہ بسا اوقات احادیث ضعیفہ سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً شاہ صاحب نے ایک حدیث نقل کی:

لَا نِکَاحَ إِلَّا بِوَلِیٍّ (۲۹)

''ولی کے بغیر نکاح نہیں ہوتا۔''

جبکہ محققین نے اس حدیث کی صحت پر کلام کیا ہے۔ امام علاء الدین کاسانی (م-۵۸۷ھ) لکھتے ہیں:

لا نكاح إلا بولي مع ما حكي عن بعض النقلة ان ثلاثة احاديث لم تصح عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعد من جملتها هذا ولهذا لم يخرج في الصحيحين (۳۰)

''**لا نكاح إلا بولي** کے بارے میں بعض اہل علم نے نقل کیا ہے کہ تین احادیث نبی کریم ﷺ سے صحیح روایت نہیں کی گئیں اور ان میں ایک یہی حدیث ہے اسی لیے صحیحین میں اس کی تخریج نہیں ہے۔''

شیخ جمال الدین رومی البابرتی (م-۷۸٦ھ) لکھتے ہیں:

روي عن يحيى بن معين رحمه الله انه قال :الاحاديث الثلاثة ليست بثابتة عن رسول الله صلى الله عليه وسلم احدها قوله عليه الصلاة والسلام : لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل (۳۱)

''یحییٰ بن معین سے روایت کی گیا کہ تین احادیث حضور اکرم ﷺ سے ثابت نہیں ہیں ان میں سے ایک **لا نكاح إلا بولي وشاهدي عدل** ہے۔''

امام بدرالدین عینی (م-۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:

وقال يحيى بن معين واسحاق بن راهويه تنسب إليه ثلاثة احاديث لم تثبت عن رسول الله صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احدها لا نكاح إلا بولي (۳۲)

''یحییٰ بن معین اور اسحاق بن راھویہ نے کہا تین احادیث کی نسبت حضور ﷺ کی طرف کی جاتی ہے مگر وہ آپ ﷺ سے ثابت نہیں ہیں ان میں سے ایک ہے۔ **لا نكاح إلا بولي**''

علامہ ابن نجیم (م-۹۷۰ھ) نے بھی اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (۳۳) اور یہی رائے علامہ شامی (م ۱۲۵۲ھ) کی ہے (۳۴)

اسی طرح شرک کی صورتیں بیان کرتے ہوئے ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے شاہ صاحب لکھتے ہیں:

في الحديث اَن حَوَّاء سمت وَلَدهَا عبد الْحَرْث وَكَانَ ذَلِك من وَحي الشَّيْطَان وقد ثبت في احاديث لاتحصى ان النبي ﷺ غير اسماء اصحابه عبدالعزيز وعبدشمس ونحو هما الى عبدالله وعبدالرحمن وما اشبههما فهذه اشباح وقوالب للشرك نهى الشارع عنها لكونها قوالب له والله اعلم (۳۵)

''اور حدیث میں آیا ہے کہ حضرت حواء نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا اور یہ نام رکھنا شیطان کے اشارے سے تھا اور بے شمار احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کے ناموں کو بدل دیا اور عبدالعزی، اور عبدالشمس اور ان کے مانند ناموں کی جگہ عبداللہ، عبدالرحمٰن اور ان سے ملتے جلتے نام

رکھے۔غرض یہ شرک کی صورتیں اورسانچے ہیں شریعت نے ان سے اس لیے منع کیا کہ شرک ان سانچوں میں ڈھل کر تیار ہوتا ہے۔باقی اللہ بہتر جانتے ہیں۔‘‘

شاہ صاحب نے حضرت حواء کے واقعہ والی جو حدیث نقل کی ہے اس کو محققین نے ضعیف اور اسرائیلات میں شمار کیا ہے۔

امام بن کثیر(م-۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:

والغرض ان هذا الحديث معلول من ثلاثة اوجه احدها ان عمر بن إبراهيم هذا هو البصری وقد وثقه ابن معين، ولكن قال ابو حاتم الرازی لا يحتج به، --- الثانی انه قد روی من قول سمرة نفسه ليس مرفوعا، كما قال ابن جرير :حدثنا ابن عبد الاعلی، حدثنا المعتمر عن ابيه، حدثنا بكر بن عبد الله بن سليمان التيمی عن ابی العلاء بن الشخير عن سمرة بن جندب قال :سمی آدم ابنه عبد الحارث .الثالث ان الحسن نفسه فسر الآية بغير هذا، فلو كان هذا عنده عن سمرة مرفوعا لما عدل عنه قال ابن جرير حدثنا ابن وكيع حدثنا سهل بن يوسف عن عمرو عن الحسن جعلا له شركاء فيما آتاهما قال كان هذا فی بعض اهل الملل ولم يكن بآدم(۳۶)

’’اور خلاصہ یہ کہ یہ حدیث کئی وجہوں سے معلول (کمزور) ہے۔پہلی وجہ اس حدیث کے راوی عمر بن ابراہیم کو اگرچہ ابن معین نے ثقہ کہا ہے مگر ابوحاتم رازی نے کہا اس کی روایت قابل حجت نہیں،دوسری وجہ یہی روایت حضرت سمرۃ سے موقوفا روایت کی گئی ہے۔جیسا کہ ابن جریر نے کہا کہ سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ حضرت آدم نے اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔اور تیسری وجہ اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصری نے اس کے علاوہ تفسیر کی ہے۔اگر یہ حضرت سمرہ نے مرفوعا بیان کی ہوتی تو یہ اس سے اعراض نہ کرتے۔ابن جریر نے کہا کہ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ یہ حضرت آدم کا واقعہ نہیں بلکہ دیگر مذاہب والوں کا واقعہ ہے۔‘‘

امام ابن کثیرؒ کے کلام کا حاصل نکات کی صورت میں درج ذیل ہے۔

۱۔ اس حدیث کے راوی عمر بن ابراہیم کی روایت کو امام ابوحاتم رازیؒ نے ناقابل حجت قرار دیا ہے۔

۲۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ سے یہ روایت موقوفا نقل کی گئی ہے۔

۳۔ اس حدیث کے راوی حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ حضرت آدمؑ کا واقعہ نہیں ہے بلکہ دیگر مذاہب والوں کا واقعہ ہے۔

ان وجوہ کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔ (جاری)

حوالہ جات

(۱) شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، حجۃ اللہ البالغہ، کراچی، نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ، س ن ،جلد۱،صفحہ۱۰

(۲) القرآن، آل عمران: ۷

(۳) القرآن، النساء: ۲۳

(۴) القرآن، المائدہ: ۹۳

(۵) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد۱، صفحہ۱۷۲

(۶) القرآن، النساء: ۹۲

(۷) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد۲، صفحہ۱۵۳

(۸) ابوداؤد، سلیمان بن الاشعث، السجستانی، السنن، بیروت، المکتبۃ العصریہ، س ن، جلد۳، صفحہ۳۲۳

(۹) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، جلد۱، صفحہ۱۷۱

(۱۰) ایضا، جلد۱، صفحہ۱۷۱

ابوداؤد، السنن، جلد۳، صفحہ۳۲۱

(۱۱) ایضا، جلد۱، صفحہ۱۷۱

(۱۲) القرآن، الاحزاب: ۵۹

(۱۳) القرآن، الاحزاب: ۵۳

(۱۴) القرآن، النور: ۳۰

(۱۵) حجۃ اللہ البالغہ، جلد۲، صفحہ۱۲۶

(۱۶) الترمذی، ابوعیسی محمد بن عیسی، السنن، مصر، مطبعہ مصطفی البابی الحلبی، ۱۳۹۵ھ، جلد۳، صفحہ۴۵۹

(۱۷) الزیلعی، فخر الدین، تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، قاہرہ، المطبعۃ الکبری الامیریۃ، ۱۳۱۳، جلد۲، صفحہ۱۱۷

(۱۸) ابن رشد، محمد بن احمد، ابوالولید، بدایۃ المجتہد ونہایۃ المقتصد، قاہرہ، دارالحدیث، ۱۴۲۵ھ، جلد۳، صفحہ۳۶

(۱۹) ابن قدامہ المقدسی، عبداللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، ۱۳۸۸ھ، جلد۷، صفحہ۷

(۲۰) شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، کراچی، جلد۲، صفحہ۱۲۷

(۲۱) حجۃ اللہ البالغہ، جلد۲، صفحہ۱۲۷

(۲۲) ایضا، جلد۲، صفحہ۱۲۷

(۲۳) ایضا، جلد۱، صفحہ۸۸

(۲۴) القرآن، آل عمران: ۹۳
حجۃ اللہ البالغہ، جلد ا، صفحہ ۸۸
(۲۵) حجۃ اللہ البالغہ، جلد ا، صفحہ ۸۸
(۲۶) ایضا، جلد ا، صفحہ ۸۸
القرآن، البقرہ: ۱۰۶
(۲۷) حجۃ اللہ البالغہ، جلد ا، صفحہ ۲۶
(۲۸) ایضا، جلد ا، صفحہ ۲۶
احمد بن حنبل، الامام، المسند، موسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۰ھ، جلد ۴۵، صفحہ ۴۹۱
(۲۹) حجۃ اللہ البالغہ، جلد ۲، صفحہ ۱۲۷
ابوداود، جلد ۲، صفحہ ۲۲۹
(۳۰) الکاسانی، علاء الدین، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۶ھ، جلد ۲، صفحہ ۲۴۹
(۳۱) البابرتی، جمال الدین، محمد بن محمد، العنایہ شرح الہدایۃ، دار الفکر، س ن، جلد ۱۰، صفحہ ۹۳
(۳۲) العینی، بدرالدین محمود بن احمد، البنایہ شرح الہدایہ، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۰ھ، جلد ۵، صفحہ ۶۷
(۳۳) ابن نجیم، زین الدین ابراہیم، البحر الرائق شرح کنز الدقائق، دار الکتاب الاسلامی، س ن، جلد ۳، صفحہ ۱۱۷
(۳۴) شامی، ابن عابدین، محمد امین، رد المحتار علی الدر المختار، بیروت، دار الفکر، ۱۴۱۲ھ، جلد ۳، صفحہ ۵۶
(۳۵) حجۃ اللہ البالغہ، جلد ا، صفحہ ۶۳
الترمذی، السنن، جلد ۵، صفحہ ۲۶۷
(۳۶) ابن کثیر، اسماعیل بن عمر، ابوالفداء، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۹ھ، جلد ۳، صفحہ ۴۷۵